**بہادر شاہ ظفر** 

* 1775-1862
* دہلی

آخری مغل بادشاہ ۔ غالب اور ذوق کے ہم عصر

# پان کھا کر سرمہ کی تحریر پھر کھینچی تو کیا

پان کھا کر سرمہ کی تحریر پھر کھینچی تو کیا

جب مرا خوں ہو چکا شمشیر پھر کھینچی تو کیا

اے مہوس جب کہ زر تیرے نصیبوں میں نہیں

تو نے محنت بھی پئے اکسیر پھر کھینچی تو کیا

گر کھنچے سینہ سے ناوک روح تو قالب سے کھینچ

اے اجل جب کھنچ گیا وہ تیر پھر کھینچی تو کیا

کھینچتا تھا پاؤں میرا پہلے ہی زنجیر سے

اے جنوں تو نے مری زنجیر پھر کھینچی تو کیا

دار ہی پر اس نے کھینچا جب سر بازار عشق

لاش بھی میری پئے تشہیر پھر کھینچی تو کیا

کھینچ اب نالہ کوئی ایسا کہ ہو اس کو اثر

تو نے اے دل آہ پر تاثیر پھر کھینچی تو کیا

چاہیئے اس کا تصور ہی سے نقشہ کھینچنا

دیکھ کر تصویر کو تصویر پھر کھینچی تو کیا

کھینچ لے اول ہی سے دل کی عنان اختیار

تو نے گر اے عاشق دلگیر پھر کھینچی تو کیا

کیا ہوا آگے اٹھائے گر ظفرؔ احسان عقل

اور اگر اب منت تدبیر پھر کھینچی تو کیا

# جگر کے ٹکڑے ہوئے جل کے دل کباب ہوا

جگر کے ٹکڑے ہوئے جل کے دل کباب ہوا

یہ عشق جان کو میرے کوئی عذاب ہوا

کیا جو قتل مجھے تم نے خوب کام کیا

کہ میں عذاب سے چھوٹا تمہیں ثواب ہوا

کبھی تو شیفتہ اس نے کہا کبھی شیدا

غرض کہ روز نیا اک مجھے خطاب ہوا

پیوں نہ رشک سے خوں کیونکہ دم بہ دم اپنا

کہ ساتھ غیر کے وہ آج ہم شراب ہوا

تمہارے لب کے لب جام نے لیے بوسے

لب اپنے کاٹا کیا میں نہ کامیاب ہوا

گلی گلی تری خاطر پھرا بچشم پر آب

لگا کے تجھ سے دل اپنا بہت خراب ہوا

تری گلی میں بہائے پھرے ہے سیل سرشک

ہمارا کاسۂ سر کیا ہوا حباب ہوا

جواب خط کے نہ لکھنے سے یہ ہوا معلوم

کہ آج سے ہمیں اے نامہ بر جواب ہوا

منگائی تھی تری تصویر دل کی تسکیں کو

مجھے تو دیکھتے ہی اور اضطراب ہوا

ستم تمہارے بہت اور دن حساب کا ایک

مجھے ہے سوچ یہ ہی کس طرح حساب ہوا

ظفرؔ بدل کے ردیف اور تو غزل وہ سنا

کہ جس کا تجھ سے ہر اک شعر انتخاب ہوا

# رخ جو زیر سنبل پر پیچ و تاب آ جائے گا

رخ جو زیر سنبل پر پیچ و تاب آ جائے گا

پھر کے برج سنبلہ میں آفتاب آ جائے گا

تیرا احساں ہوگا قاصد گر شتاب آ جائے گا

صبر مجھ کو دیکھ کر خط کا جواب آ جائے گا

ہو نہ بیتاب اتنا گر اس کا عتاب آ جائے گا

تو غضب میں اے دل خانہ خراب آ جائے گا

اس قدر رونا نہیں بہتر بس اب اشکوں کو روک

ورنہ طوفاں دیکھ اے چشم پر آب آ جائے گا

پیش ہووے گا اگر تیرے گناہوں کا حساب

تنگ ظالم عرصۂ روز حساب آ جائے گا

دیکھ کر دست ستم میں تیری تیغ آب دار

میرے ہر زخم جگر کے منہ میں آب آ جائے گا

اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا

دیکھ چکر میں ابھی جام شراب آ جائے گا

خوب ہوگا ہاں جو سینہ سے نکل جائے گا تو

چین مجھ کو اے دل پر اضطراب آ جائے گا

اے ظفرؔ اٹھ جائے گا جب پردہ شرم و حجاب

سامنے وہ یار میرے بے حجاب آ جائے گا

# قاروں اٹھا کے سر پہ سنا گنج لے چلا

قاروں اٹھا کے سر پہ سنا گنج لے چلا

دنیا سے کیا بخیل بجز رنج لے چلا

منت تھی بوسۂ لب شیریں کہ دل مرا

مجھ کو سوئے مزار شکر گنج لے چلا

ساقی سنبھالتا ہے تو جلدی مجھے سنبھال

ورنہ اڑا کے پاں نشۂ بنج لے چلا

دوڑا کے ہاتھ چھاتی پہ ہم ان کی یوں پھرے

جیسے کوئی چور آ کے ہو نارنج لے چلا

چوسر کا لطف یہ ہے کہ جس وقت پو پڑے

ہم بر چہار بولے تو برپنج لے چلا

جس دم ظفرؔ نے پڑھ کے غزل ہاتھ سے رکھی

آنکھوں پہ رکھ ہر ایک سخن سنج لے چلا

# کیا کہوں دل مائل زلف دوتا کیونکر ہوا

کیا کہوں دل مائل زلف دوتا کیونکر ہوا

یہ بھلا چنگا گرفتار بلا کیونکر ہوا

جن کو محراب عبادت ہو خم ابروئے یار

ان کا کعبے میں کہو سجدہ ادا کیونکر ہوا

دیدۂ حیراں ہمارا تھا تمہارے زیر پا

ہم کو حیرت ہے کہ پیدا نقش پا کیونکر ہوا

نامہ بر خط دے کے اس نو خط کو تو نے کیا کہا

کیا خطا تجھ سے ہوئی اور وہ خفا کیونکر ہوا

خاکساری کیا عجب کھووے اگر دل کا غبار

خاک سے دیکھو کہ آئینہ صفا کیونکر ہوا

جن کو یکتائی کا دعویٰ تھا وہ مثل آئینہ

ان کو حیرت ہے کہ پیدا دوسرا کیونکر ہوا

تیرے دانتوں کے تصور سے نہ تھا گر آبدار

جو بہا آنسو وہ در بے بہا کیونکر ہوا

جو نہ ہونا تھا ہوا ہم پر تمہارے عشق میں

تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا

وہ تو ہے نا آشنا مشہور عالم میں ظفرؔ

پر خدا جانے وہ تجھ سے آشنا کیونکر ہوا

# نباہ بات کا اس حیلہ گر سے کچھ نہ ہوا

نباہ بات کا اس حیلہ گر سے کچھ نہ ہوا

ادھر سے کیا نہ ہوا پر ادھر سے کچھ نہ ہوا

جواب صاف تو لاتا اگر نہ لاتا خط

لکھا نصیب کا جو نامہ بر سے کچھ نہ ہوا

ہمیشہ فتنے ہی برپا کیے مرے سر پر

ہوا یہ اور تو اس فتنہ گر سے کچھ نہ ہوا

بلا سے گریۂ شب تو ہی کچھ اثر کرتا

اگرچہ عشق میں آہ سحر سے کچھ نہ ہوا

جلا جلا کے کیا شمع ساں تمام مجھے

بس اور تو مجھے سوز جگر سے کچھ نہ ہوا

رہیں عدو سے وہی گرم جوشیاں اس کی

اس آہ سرد اور اس چشم تر سے کچھ نہ ہوا

اٹھایا عشق میں کیا کیا نہ درد سر میں نے

حصول پر مجھے اس درد سر سے کچھ نہ ہوا

شب وصال میں بھی میری جان کو آرام

عزیزو درد جدائی کے ڈر سے کچھ نہ ہوا

نہ دوں گا دل اسے میں یہ ہمیشہ کہتا تھا

وہ آج لے ہی گیا اور ظفرؔ سے کچھ نہ ہوا

# نہ اس کا بھید یاری سے نہ عیاری سے ہاتھ آیا

نہ اس کا بھید یاری سے نہ عیاری سے ہاتھ آیا

خدا آگاہ ہے دل کی خبرداری سے ہاتھ آیا

نہ ہوں جن کے ٹھکانے ہوش وہ منزل کو کیا پہنچے

کہ رستہ ہاتھ آیا جس کی ہشیاری سے ہاتھ آیا

ہوا حق میں ہمارے کیوں ستم گر آسماں اتنا

کوئی پوچھے کہ ظالم کیا ستم گاری سے ہاتھ آیا

اگرچہ مال دنیا ہاتھ بھی آیا حریصوں کے

تو دیکھا ہم نے کس کس ذلت و خواری سے ہاتھ آیا

نہ کر ظالم دل آزاری جو یہ دل منظور ہے لینا

کسی کا دل جو ہاتھ آیا تو دل داری سے ہاتھ آیا

اگرچہ خاکساری کیمیا کا سہل نسخہ ہے

ولیکن ہاتھ آیا جس کے دشواری سے ہاتھ آیا

ہوئی ہرگز نہ تیرے چشم کے بیمار کو صحت

نہ جب تک زہر تیرے خط زنگاری سے ہاتھ آیا

کوئی یہ وحشیٔ رم دیدہ تیرے ہاتھ آیا تھا

پر اے صیادوش دل کی گرفتاری سے ہاتھ آیا

ظفرؔ جو دو جہاں میں گوہر مقصود تھا اپنا

جناب فخر دیں کی وہ مددگاری سے ہاتھ آیا

# نہ درویشوں کا خرقہ چاہیئے نہ تاج شاہانا

نہ درویشوں کا خرقہ چاہیئے نہ تاج شاہانا

مجھے تو ہوش دے اتنا رہوں میں تجھ پہ دیوانا

کتابوں میں دھرا ہے کیا بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں

ہمارے دل پہ نقش کالجحر ہے تیرا فرمانا

غنیمت جان جو دم گزرے کیفیت سے گلشن میں

دئیے جا ساقی پیماں شکن بھر بھر کے پیمانا

نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانۂ دل میں

بہت مسجد میں سر مارا بہت سا ڈھونڈا بت خانا

کچھ ایسا ہو کہ جس سے منزل مقصود کو پہنچوں

طریق پارسائی ہووے یا ہو راہ رندانا

یہ ساری آمد و شد ہے نفس کی آمد و شد پر

اسی تک آنا جانا ہے نہ پھر جانا نہ پھر آنا

ظفرؔ وہ زاہد بے درد کی ہو حق سے بہتر ہے

کرے گر رند درد دل سے ہاو ہوئے مستانا

# نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا

غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا

رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ترے رخ کے خیال میں کون سے دن اٹھے مجھ پہ نہ فتنۂ روز جزا

تری زلف کے دھیان میں کون سی شب مرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب

کہ یہ عہد نشاط یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما

مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا اسے پاس حجاب و حیا نہ رہا

ترے خنجر و تیغ کی آب رواں ہوئی جب کہ سبیل ستم زدگاں

گئے کتنے ہی قافلے خشک زباں کوئی تشنۂ آب بقا نہ رہا

مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خون جگر

ملے پاؤں سے کس کے ہیں دیدۂ تر کف پا پہ جو رنگ حنا نہ رہا

اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں

کئے لاکھ فریب کروڑ فسوں نہ رہا نہ رہا نہ رہا نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم

ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

# ہم نے تری خاطر سے دل زار بھی چھوڑا

ہم نے تری خاطر سے دل زار بھی چھوڑا

تو بھی نہ ہوا یار اور اک یار بھی چھوڑا

کیا ہوگا رفوگر سے رفو میرا گریبان

اے دست جنوں تو نے نہیں تار بھی چھوڑا

دیں دے کے گیا کفر کے بھی کام سے عاشق

تسبیح کے ساتھ اس نے تو زنار بھی چھوڑا

گوشہ میں تری چشم سیہ مست کے دل نے

کی جب سے جگہ خانۂ خمار بھی چھوڑا

اس سے ہے غریبوں کو تسلی کہ اجل نے

مفلس کو جو مارا تو نہ زردار بھی چھوڑا

ٹیڑھے نہ ہو ہم سے رکھو اخلاص تو سیدھا

تم پیار سے رکتے ہو تو لو پیار بھی چھوڑا

کیا چھوڑیں اسیران محبت کو وہ جس نے

صدقے میں نہ اک مرغ گرفتار بھی چھوڑا

پہنچی مری رسوائی کی کیونکر خبر اس کو

اس شوخ نے تو دیکھنا اخبار بھی چھوڑا

کرتا تھا جو یاں آنے کا جھوٹا کبھی اقرار

مدت سے ظفرؔ اس نے وہ اقرار بھی چھوڑا

# یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا

یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے

کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے

کاش خاک در جانانہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو

عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن

زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے

قابل جلسۂ رندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اگر دورئ ساقی سے مجھے

تو چراغ در مے خانہ بنایا ہوتا

شعلۂ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے

ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ

ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

# ٹکڑے نہیں ہیں آنسوؤں میں دل کے چار پانچ

ٹکڑے نہیں ہیں آنسوؤں میں دل کے چار پانچ

سرخاب بیٹھے پانی میں ہیں مل کے چار پانچ

منہ کھولے ہیں یہ زخم جو بسمل کے چار پانچ

پھر لیں گے بوسے خنجر قاتل کے چار پانچ

کہنے ہیں مطلب ان سے ہمیں دل کے چار پانچ

کیا کہیے ایک منہ ہیں وہاں مل کے چار پانچ

دریا میں گر پڑا جو مرا اشک ایک گرم

بت خانے لب پہ ہو گئے ساحل کے چار پانچ

دو چار لاشے اب بھی پڑے تیرے در پہ ہیں

اور آگے دب چکے ہیں تلے گل کے چار پانچ

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جن کا نام

رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

رنج و تعب مصیبت و غم یاس و درد و داغ

آہ و فغاں رفیق ہیں یہ دل کے چار پانچ

دو تین جھٹکے دوں جوں ہی وحشت کے زور میں

زنداں میں ٹکڑے ہوویں سلاسل کے چار پانچ

فرہاد و قیس و وامق و عذرا تھے چار دوست

اب ہم بھی آ ملے تو ہوئے مل کے چار پانچ

ناز و ادا و غمزہ نگہ پنجۂ مژہ

ماریں ہیں ایک دل کو یہ پل پل کے چار پانچ

ایما ہے یہ کہ دیویں گے نو دن کے بعد دل

لکھ بھیجے خط میں شعر جو بیدل کے چار پانچ

ہیرے کے نورتن نہیں تیرے ہوئے ہیں جمع

یہ چاندنی کے پھول مگر کھل کے چار پانچ

مینائے نہہ فلک ہے کہاں بادۂ نشاط

شیشے ہیں یہ تو زہر ہلاہل کے چار پانچ

ناخن کریں ہیں زخموں کو دو دو ملا کے ایک

تھے آٹھ دس سو ہو گئے اب چھل کے چار پانچ

گر انجم فلک سے بھی تعداد کیجئے

نکلیں زیادہ داغ مرے دل کے چار پانچ

ماریں جو سر پہ سل کو اٹھا کر قلق سے ہم

دس پانچ ٹکڑے سر کے ہوں اور سل کے چار پانچ

مان اے ظفرؔ تو پنج تن و چار یار کو

ہیں صدر دین کی یہی محفل کے چار پانچ

# سب رنگ میں اس گل کی مرے شان ہے موجود

سب رنگ میں اس گل کی مرے شان ہے موجود

غافل تو ذرا دیکھ وہ ہر آن ہے موجود

ہر تار کا دامن کے مرے کر کے تبرک

سربستہ ہر اک خار بیابان ہے موجود

عریانی تن ہے یہ بہ از خلعت شاہی

ہم کو یہ ترے عشق میں سامان ہے موجود

کس طرح لگاوے کوئی داماں کو ترے ہاتھ

ہونے کو تو اب دست و گریبان ہے موجود

لیتا ہی رہا رات ترے رخ کی بلائیں

تو پوچھ لے یہ زلف پریشان ہے موجود

تم چشم حقیقت سے اگر آپ کو دیکھو

آئینۂ حق میں دل انسان ہے موجود

کہتا ہے ظفرؔ ہیں یہ سخن آگے سبھوں کے

جو کوئی یہاں صاحب عرفان ہے موجود

# کیونکر نہ خاکسار رہیں اہل کیں سے دور

کیونکر نہ خاکسار رہیں اہل کیں سے دور

دیکھو زمیں فلک سے فلک ہے زمیں سے دور

پروانہ وصل شمع پہ دیتا ہے اپنی جاں

کیونکر رہے دل اس کے رخ آتشیں سے دور

مضمون وصل و ہجر جو نامہ میں ہے رقم

ہے حرف بھی کہیں سے ملے اور کہیں سے دور

گو تیر بے گماں ہے مرے پاس پر ابھی

جائے نکل کے سینۂ چرخ بریں سے دور

وہ کون ہے کہ جاتے نہیں آپ جس کے پاس

لیکن ہمیشہ بھاگتے ہو تم ہمیں سے دور

حیران ہوں کہ اس کے مقابل ہو آئینہ

جو پر غرور کھنچتا ہے ماہ مبیں سے دور

یاں تک عدو کا پاس ہے ان کو کہ بزم میں

وہ بیٹھتے بھی ہیں تو مرے ہم نشیں سے دور

منظور ہو جو دید تجھے دل کی آنکھ سے

پہنچے تری نظر نگہ دور بیں سے دور

دنیائے دوں کی دے نہ محبت خدا ظفرؔ

انساں کو پھینک دے ہے یہ ایمان و دیں سے دور

# دیکھ دل کو مرے او کافر بے پیر نہ توڑ

دیکھ دل کو مرے او کافر بے پیر نہ توڑ

گھر ہے اللہ کا یہ اس کی تو تعمیر نہ توڑ

غل سدا وادئ وحشت میں رکھوں گا برپا

اے جنوں دیکھ مرے پاؤں کی زنجیر نہ توڑ

دیکھ ٹک غور سے آئینۂ دل کو میرے

اس میں آتا ہے نظر عالم تصویر نہ توڑ

تاج زر کے لیے کیوں شمع کا سر کاٹے ہے

رشتۂ الفت پروانہ کو گلگیر نہ توڑ

اپنے بسمل سے یہ کہتا تھا دم نزع وہ شوخ

تھا جو کچھ عہد سو او عاشق دلگیر نہ توڑ

رقص بسمل کا تماشا مجھے دکھلا کوئی دم

دست و پا مار کے دم تو تہ شمشیر نہ توڑ

سہم کر اے ظفرؔ اس شوخ کماندار سے کہہ

کھینچ کر دیکھ مرے سینے سے تو تیر نہ توڑ

# شانے کی ہر زباں سے سنے کوئی لاف زلف

شانے کی ہر زباں سے سنے کوئی لاف زلف

چیرے ہے سینہ رات کو یہ موشگاف زلف

جس طرح سے کہ کعبہ پہ ہے پوشش سیاہ

اس طرح اس صنم کے ہے رخ پر غلاف زلف

برہم ہے اس قدر جو مرے دل سے زلف یار

شامت زدہ نے کیا کیا ایسا خلاف زلف

مطلب نہ کفر و دیں سے نہ دیر و حرم سے کام

کرتا ہے دل طواف عذار و طواف زلف

ناف غزال چیں ہے کہ ہے نافۂ تتار

کیونکر کہوں کہ ہے گرہ زلف ناف زلف

آپس میں آج دست و گریباں ہے روز و شب

اے مہروش زری کا نہیں موئے باف زلف

کہتا ہے کوئی جیم کوئی لام زلف کو

کہتا ہوں میں ظفرؔ کہ مسطح ہے کاف زلف

# اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل

دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

کم ظرف پر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ

مانند جوش غم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے ساتھ

اس پر سپند وار نہ اتنا اچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہ نما

سائے سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل

بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل کے چل

انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ

اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

پھر آنکھیں بھی تو دیں ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم

کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل چل سنبھل کے چل

ہے طرفہ امن گاہ نہاں خانۂ عدم

آنکھوں کے روبرو سے تو لوگوں کے ٹل کے چل

کیا چل سکے گا ہم سے کہ پہچانتے ہیں ہم

تو لاکھ اپنی چال کو ظالم بدل کے چل

ہے شمع سر کے بل جو محبت میں گرم ہو

پروانہ اپنے دل سے یہ کہتا ہے جل کے چل

بلبل کے ہوش نکہت گل کی طرح اڑا

گلشن میں میرے ساتھ ذرا عطر مل کے چل

گر قصد سوئے دل ہے ترا اے نگاہ یار

دو چار تیر پیک سے آگے اجل کے چل

جو امتحان طبع کرے اپنا اے ظفرؔ

تو کہہ دو اس کو طور پہ تو اس غزل کے چل

# نہ دو دشنام ہم کو اتنی بد خوئی سے کیا حاصل

نہ دو دشنام ہم کو اتنی بد خوئی سے کیا حاصل

تمہیں دینا ہی ہوگا بوسہ خم روئی سے کیا حاصل

دل آزاری نے تیری کر دیا بالکل مجھے بیدل

نہ کر اب میری دل جوئی کہ دل جوئی سے کیا حاصل

نہ جب تک چاک ہو دل پھانس کب دل کی نکلتی ہے

جہاں ہو کام خنجر کا وہاں سوئی سے کیا حاصل

برائی یا بھلائی گو ہے اپنے واسطے لیکن

کسی کو کیوں کہیں ہم بد کہ بدگوئی سے کیا حاصل

نہ کر فکر خضاب اے شیخ تو پیری میں جانے دے

جواں ہونا نہیں ممکن سیہ روئی سے کیا حاصل

چڑھائے آستیں خنجر بکف وہ یوں جو پھرتا ہے

اسے کیا جانے ہے اس عربدہ جوئی سے کیا حاصل

عبث پنبہ نہ رکھ داغ دل سوزاں پہ تو میرے

کہ انگارے پہ ہوگا چارہ گر روئی سے کیا حاصل

شمیم زلف ہو اس کی تو ہو فرحت مرے دل کو

صبا ہووے گا مشک چیں کی خوشبوئی سے کیا حاصل

نہ ہووے جب تلک انساں کو دل سے میل یک جانب

ظفرؔ لوگوں کے دکھلانے کو یکسوئی سے کیا حاصل

# مر گئے اے واہ ان کی ناز برداری میں ہم

مر گئے اے واہ ان کی ناز برداری میں ہم

دل کے ہاتھوں سے پڑے کیسی گرفتاری میں ہم

سب پہ روشن ہے ہماری سوزش دل بزم میں

شمع ساں جلتے ہیں اپنی گرم بازاری میں ہم

یاد میں ہے تیرے دم کی آمد و شد پر خیال

بے خبر سب سے ہیں اس دم کی خبرداری میں ہم

جب ہنسایا گردش گردوں نے ہم کو شکل گل

مثل شبنم ہیں ہمیشہ گریہ و زاری میں ہم

چشم و دل بینا ہے اپنے روز و شب اے مردماں

گرچہ سوتے ہیں بظاہر پر ہیں بیداری میں ہم

دوش پر رخت سفر باندھے ہے کیا غنچہ صبا

دیکھتے ہیں سب کو یاں جیسے کہ تیاری میں ہم

کب تلک بے دید سے یا رب رکھیں چشم وفا

لگ رہے ہیں آج کل تو دل کی غم خواری میں ہم

دیکھ کر آئینہ کیا کہتا ہے یارو اب وہ شوخ

ماہ سے صد چند بہتر ہیں اداداری میں ہم

اے ظفرؔ لکھ تو غزل بحر و قوافی پھیر کر

خامۂ در ریز سے ہیں اب گہر باری میں ہم

# بھری ہے دل میں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں

بھری ہے دل میں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں

سنے ہے کون مصیبت کہوں تو کس سے کہوں

جو تو ہو صاف تو کچھ میں بھی صاف تجھ سے کہوں

ترے ہے دل میں کدورت کہوں تو کس سے کہوں

نہ کوہ کن ہے نہ مجنوں کہ تھے مرے ہمدرد

میں اپنا درد محبت کہوں تو کس سے کہوں

دل اس کو آپ دیا آپ ہی پشیماں ہوں

کہ سچ ہے اپنی ندامت کہوں تو کس سے کہوں

کہوں میں جس سے اسے ہووے سنتے ہی وحشت

پھر اپنا قصۂ وحشت کہوں تو کس سے کہوں

رہا ہے تو ہی تو غم خوار اے دل غمگیں

ترے سوا غم فرقت کہوں تو کس سے کہوں

جو دوست ہو تو کہوں تجھ سے دوستی کی بات

تجھے تو مجھ سے عداوت کہوں تو کس سے کہوں

نہ مجھ کو کہنے کی طاقت کہوں تو کیا احوال

نہ اس کو سننے کی فرصت کہوں تو کس سے کہوں

کسی کو دیکھتا اتنا نہیں حقیقت میں

ظفرؔ میں اپنی حقیقت کہوں تو کس سے کہوں

# جب کبھی دریا میں ہوتے سایہ افگن آپ ہیں

جب کبھی دریا میں ہوتے سایہ افگن آپ ہیں

فلس ماہی کو بتاتے ماہ روشن آپ ہیں

سیتے ہیں سوزن سے چاک سینہ کیا اے چارہ ساز

خار غم سینے میں اپنے مثل سوزن آپ ہیں

پیار سے کر کے حمائل غیر کی گردن میں ہاتھ

مارتے تیغ ستم سے مجھ کو گردن آپ ہیں

کھینچ کر آنکھوں میں اپنی سرمۂ دنبالہ دار

کرتے پیدا سحر سے نرگس میں سوسن آپ ہیں

دیکھ کر صحرا میں مجھ کو پہلے گھبرایا تھا قیس

پھر جو پہچانا تو بولا حضرت من آپ ہیں

جی دھڑکتا ہے کہیں تار رگ گل چبھ نہ جائے

سیج پر پھولوں کی کرتے قصد خفتن آپ ہیں

کیا مزا ہے تیغ قاتل میں کہ اکثر صید عشق

آن کر اس پر رگڑتے اپنی گردن آپ ہیں

مجھ سے تم کیا پوچھتے ہو کیسے ہیں ہم کیا کہیں

جی ہی جانے ہے کہ جیسے مشفق من آپ ہیں

پر غرور و پر تکبر پر جفا و پر ستم

پر فریب و پر دغا پر مکر و پر فن آپ ہیں

ظلم پیشہ ظلم شیوہ ظلم ران و ظلم دوست

دشمن دل دشمن جاں دشمن تن آپ ہیں

یکہ تاز و نیزہ باز و عربدہ جو تند خو

تیغ زن دشنہ گزار و ناوک افگن آپ ہیں

تسمہ کش طراز و غارت گر تاراج ساز

کافر یغمائی و قزاق رہزن آپ ہیں

فتنہ جو بیداد گر سفاک و اظلم کینہ ور

گرم جنگ و گرم قتل و گرم کشتن آپ ہیں

بدمزاج و بددماغ و بدشعار و بدسلوک

بد طریق و بدزباں بدعہد و بدظن آپ ہیں

بے مروت بے وفا نامہرباں نا آشنا

میرے قاتل میرے حاسد میرے دشمن آپ ہیں

اے ظفرؔ کیا پائے قاتل کے ہے بوسے کی ہوس

یوں جو بسمل ہو کے سرگرم طپیدن آپ ہیں

# کیونکہ ہم دنیا میں آئے کچھ سبب کھلتا نہیں

کیونکہ ہم دنیا میں آئے کچھ سبب کھلتا نہیں

اک سبب کیا بھید واں کا سب کا سب کھلتا نہیں

پوچھتا ہے حال بھی گر وہ تو مارے شرم کے

غنچۂ تصویر کے مانند لب کھلتا نہیں

شاہد مقصود تک پہنچیں گے کیونکر دیکھیے

بند ہے باب تمنا ہے غضب کھلتا نہیں

بند ہے جس خانۂ زنداں میں دیوانہ تیرا

اس کا دروازہ پری رو روز و شب کھلتا نہیں

دل ہے یہ غنچہ نہیں ہے اس کا عقدہ اے صبا

کھولنے کا جب تلک آوے نہ ڈھب کھلتا نہیں

عشق نے جن کو کیا خاطر گرفتہ ان کا دل

لاکھ ہووے گرچہ سامان طرب کھلتا نہیں

کس طرح معلوم ہووے اس کے دل کا مدعا

مجھ سے باتوں میں ظفرؔ وہ غنچہ لب کھلتا نہیں

# لگتا نہیں ہے دل مرا اجڑے دیار میں

لگتا نہیں ہے دل مرا اجڑے دیار میں

کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں

کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں

اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں

کانٹوں کو مت نکال چمن سے او باغباں

یہ بھی گلوں کے ساتھ پلے ہیں بہار میں

بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ

قسمت میں قید لکھی تھی فصل بہار میں

کتنا ہے بد نصیب ظفرؔ دفن کے لیے

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

# میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں

تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں

جزو و کل کو نہیں سمجھتا میں

دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

تجھ سے الفت نباہتا ہوں میں

باوفا ہوں کہ بے وفا کچھ ہوں

جب سے ناآشنا ہوں میں سب سے

تب کہیں اس سے آشنا کچھ ہوں

نشۂ عشق لے اڑا ہے مجھے

اب مزے میں اڑا رہا کچھ ہوں

خواب میرا ہے عین بیداری

میں تو اس میں بھی دیکھتا کچھ ہوں

گرچہ کچھ بھی نہیں ہوں میں لیکن

اس پہ بھی کچھ نہ پوچھو کیا کچھ ہوں

سمجھے وہ اپنا خاکسار مجھے

خاک رہ ہوں کہ خاک پا کچھ ہوں

چشم الطاف فخر دیں سے ہوں

اے ظفرؔ کچھ سے ہو گیا کچھ ہوں

# ہجر کے ہاتھ سے اب خاک پڑے جینے میں

ہجر کے ہاتھ سے اب خاک پڑے جینے میں

درد اک اور اٹھا آہ نیا سینے میں

خون دل پینے سے جو کچھ ہے حلاوت ہم کو

یہ مزا اور کسی کو نہیں مے پینے میں

دل کو کس شکل سے اپنے نہ مصفا رکھوں

جلوہ گر یار کی صورت ہے اس آئینے میں

اشک و لخت جگر آنکھوں میں نہیں ہیں میرے

ہیں بھرے لعل و گہر عشق کے گنجینے میں

شکل آئینہ ظفرؔ سے تو نہ رکھ دل میں خیال

کچھ مزا بھی ہے بھلا جان مری لینے میں